مفاہمتی عمل کیلئے پائیدار حکمت عملی کی تشکیل

﴿تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں﴾

* قاری محمد رفیق صادق

آج کی پوری دنیا کو جس قدر امن کی ضرورت ہے اس سے پہلے کبھی نہ تھی، اس لئے سارا عالم اس کیلئے کوشاں ہے لیکن سوال یہ ہے کہ یہ امن کس طریقے سے قائم ہوگا؟ کیا یہ طاقت کے ذریعے ہوگا کہ طاقتور اپنی قوت سے کمزور کو کچل کر نیست و نابود کردے یا یہ مناظرانہ طریقہ اختیار کر کے دلائل کی قوت سے دوسرے کو لاجواب کر کے زیر کرنے سے حاصل ہوگا یا پھر مفاہمتی انداز اختیار کرتے ہوئے حکمت و بصیرت سے اس دنیا کو امن و آشتی کی آماجگاہ بنایا جاسکتا ہے۔

موجودہ حالات پر ایک غیر جانبدارانہ نظر ڈالی جائے تو یہ نتیجہ سب پر روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتا ہے کہ بے پناہ قوت و طاقت کے استعمال نے اس جہاں کو پہلے سے زیادہ غیر محفوظ کر دیا ہے، اسی طرح اہل عقل و منطق نے علم و دانش کے دریا بہادیئے لیکن وہ کسی بھی فریق کو دنیا میں امن قائم کرنے پر قائل نہ کر سکے، ایسی فضا و ماحول میں مفاہمت ہی ایک ایسا شجر ہے جو ثمر آور ہو سکتا ہے قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴾(1)

''برائی کو بھلائی سے دفع (دور) کرو پھر وہی جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے ایسا ہوجائے گا جیسے ولی دوست''۔

اس مقالہ میں مفاہمت کے معنی و مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے اس بات کا جائزہ لیا گیا ہے کہ آقائے دو عالم محمد مصطفی ﷺ کی سیرت طیبہ اور تعلیمات کی روشنی میں مفاہمتی عمل کے لئے پائیدار حکمت عملی کس طرح تشکیل دی جاسکتی ہے، زیر نظر مقالہ کو درج ذیل اجزاء کے تحت تقسیم کیا گیا ہے:

① مفاہمت کا معنی و مفہوم

② مفاہمت کی حکمت عملی اور اصول و ضوابط

③ نتائج و سفارشات

مقالہ ہذا میں قرآن و حدیث اور اساسی مصادر خاص طور پر مصادر سیرت سے معلومات لی گئی ہیں اور پھر ان سے استخراج و استنباط کرنے کی کوشش کی گئی ہے، حتی الوسع عربی متن و نص کو درج کیا گیا ہے اور احادیث کی تخریج کر دی گئی ہے۔

---

* لیکچرار، شعبہ حدیث و سیرت، کلیہ عربی و علوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

اصل اعتماد بنیادی مصادر پر کیا گیا ہے تاہم تشریح وتعبیر کیلئے جہاں ضرورت پڑی وہاں پر ثانوی مصادر سے بھی استفادہ کیا گیا ہے، مقالہ کے آخر میں تمام حوالہ جات ذکر کر دیئے گئے ہیں۔

① مفاہمت کا معنی ومفہوم : (Reconciliation)

لفظ مفاہمت (مُفَا هَمَةٌ) عربی زبان کا لفظ ہے جو باب مُفَا عَلَة سے فَاهَمَ يُفَاهِمُ فعل کا مصدر ہے اور اس کا مادہ اصلیہ "فَهْمُ" ہے، ابن منظور اپنی مشہور قاموس ولغت میں اس لفظ سے متعلق لکھتے ہیں "الفهم معرفتک الشیی ء بالقلب" کسی چیز کی دل سے معرفت حاصل کرنا اور سمجھنا(2) فیروز آبادی اپنی لغت میں اس لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فَهِمَهَ، عَلِمَهُ وَعَرَفَه بالقلب، یعنی کسی چیز کو جان لینا اور اس کو دل سے سمجھنا(3) جبکہ عربی زبان کی مشہور ڈکشنری المنجد میں ہے فَهِمَ . فَهْمًا و فَهَمَا وَفَهَامَةً و فِهَامَةً الأمرَ أوالمعنى :

عَلِمَهَ وَعَرَفَه و أدركه "یعنی کسی چیز کی صحیح سمجھ بوجھ کا نام فَهْم ہے۔(4)

لغت کی یہ سب کتب اس پر متفق ہیں کہ کسی چیز کا صحیح ادراک کرنا اور اس کو دل ودماغ سے سمجھ لینا" فهم" کہلاتا ہے۔

عربی زبان کے قواعد اشتقاق کی رو سے لفظ" مفاہمت" باب مفاعلة سے ہے اور اس کا معنی ہے ایک دوسرے کو سمجھنا اور سمجھانا پس مفاہمت کا معنی ومفہوم یہ ہوا کہ ایک دوسرے کے نقطۂ نظر کو سمجھنا اور اسی طرح ایک دوسرے کو اپنا نقطۂ نظر اور مافی الضمیر سمجھانا(5)، عربی زبان میں اسی لفظ" فهم" سے ایک دوسرا لفظ" تفاهُم "ماُخوذ ہے جس کا معنی ہے سمجھوتہ کرنا(6)

عملی زندگی (Practical Life) میں مفاہمت اس طرز عمل کو کہا جاتا ہے جس میں تمام فریق ایک دوسرے کا لحاظ رکھتے ہوئے ٹکراؤ سے بچ کر مشترکہ نصب العین کے تحت آگے بڑھیں تاکہ اپنے آپ کو اور اپنی قوم کو خوشحالی اور امن وسکون سے ہم کنار کر سکیں۔

مفاہمت اگر کسی ضابطہء اخلاق کی پابند نہ ہو تو پھر یہ وقت اور توانائی کے ضیاع کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، اسی لئے مفاہمت کا عمل نیچ اور خسیس مقاصد کیلئے نہیں ہوتا بلکہ یہ ہمیشہ نہایت ہی اعلیٰ وارفع مقاصد کے حصول کا ذریعہ ہوتا ہے اس لئے مفاہمت کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ظلم وزیادتی یا جھوٹ وخیانت کی حمایت کی جائے یا ظالموں، جھوٹوں، غداروں اور خائنوں کا ساتھ دیا جائے کیونکہ یہ تو اہل حق کی طرف سے بزدلی دکھانے اور باطل قوتوں کو اپنے اوپر مسلط کرنے اور ان کی بالادستی وغلامی قبول کرنے کے مترادف ہے جسے مسلمان تو کجا ایک آزاد اور باغیرت انسان بھی کسی صورت میں قبول نہیں کر سکتا۔

② مفاہمت کی حکمت عملی اور اصول وضوابط :

یقیناً رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہر مسلمان کے لئے مشعل راہ ہے:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾(7)

"یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے"۔

مفاہمتی عمل کو پائیدار اور مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے اور تشکیل دینے کیلئے جب ہم سیرت طیبہ اور تعلیمات نبوی کا مطالعہ کرتے ہیں تو جو حکمت عملی (Strategy) اور اصول وضوابط (Rules & Regulations) ملتے ہیں جن سے ہم راہنمائی حاصل کر سکتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

الف: اسوۂ حسنہ کی روشنی میں مفاہمت کی حکمت عملی:

❶ عفوودرگزر کرنا:

جو بھی شخص مفاہمت کا علم لے کر آگے بڑھے گا اسے اپنے آپ کو عفوودرگزر کی صفت سے مسلح ومزین کرنا پڑیگا، ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿خُذِالْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْن﴾(8) ''آپ درگزر کو اختیار کریں نیک کام کی تعلیم دیں اور جاہلوں سے ایک کنارہ ہو جائیں''۔

رسول اللہ ﷺ کی تمام تر زندگی ہی عفوودرگزر کی بہترین مثال ہے لیکن یہاں پر صرف دو تین واقعات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔امام بخاری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے نجد کی طرف کچھ سوار روانہ کیے جنہوں نے واپسی پر بنی حنیفہ کے ایک شخص کو ساتھ پکڑ کر لایا (جس کے بارے میں بعد میں معلوم ہوا کہ) وہ ان کا سردار ثمامۃ بن اثال ہے اور اس کو مسجد نبوی کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔رسول اللہ ﷺ جب وہاں تشریف لائے اور ثمامۃ سے دریافت کیا:

> ((ماذا عندک یا ثمامۃ ؟ فقال: عندی خیرٌ یا محمد اِن تَقْتُلنِی تَقْتُلُ ذادمٍ، و ان تُنعِمُ تُنعِمُ علی شاکرٍ و ان کنت تریدُ المالَ فَسَلْ منه ما شِئتَ... فقال أَطلِقوُا ثُمامة...))(9)
>
> ''تمہاری کیارائے ہے؟ اس پر ثمامہ نے کہا کہ میری رائے اچھی ہے اگر آپ میرے قتل کرنے کا حکم دیں گے تو یہ ایک واجب القتل شخص کا قتل کرنا ہوگا، اور اگر آپ انعام واحسان فرمائیں گے تو یہ ایک شکر گذار شخص پر ہوگا اور اگر آپ کو مال کی ضرورت ہے تو جس قدر چاہئے وہ بتا دیجئے آپ ﷺ نے دوسرے دن بھی ان سے یہی دریافت کیا تو انہوں نے گزشتہ کل والا جواب دھرا دیا، تیسرے دن بھی جب آپ علیہ السلام نے اس سے دریافت کیا تو ثمامہ نے پھر وہی پرانا جواب دھرا دیا اس پر رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ ثمامہ کو چھوڑ دو''۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ثمامہ رہائی پانے کے بعد قریب ہی کھجور کے باغ میں گئے اور غسل کرنے کے بعد دوبارہ مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور اعلان کیا ''اشهد ان لا اله الا اللّٰه و اشهد ان محمداً رسول اللّٰه'' اور ساتھ ہی جو تبصرہ کیا وہ ایک حقیقت پسند آدمی کیلئے رسول اللہ ﷺ کی عظمت، انسانیت اور اعلیٰ وارفع کردار پر سند کی حیثیت رکھتا ہے۔انھوں نے فرمایا ''اے محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کی قسم (اب سے پہلے) سارے عالم میں آپ سے زیادہ اور کسی شخص سے مجھے نفرت نہ تھی لیکن اب تو آپ ہی مجھے دنیا میں سب سے زیادہ محبوب ہیں، اللہ کی قسم آپ کے شہر سے مجھے نہایت نفرت تھی مگر آج تو وہ مجھے سب مقامات سے

پسندیدہ تر نظر آتا ہے۔ اللہ کی قسم آپ کے دین سے بڑھ کر مجھے کسی اور دین سے بغض نہ تھا لیکن آج تو آپ ہی کا دین مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔(10)

اس واقعہ میں سب سے اہم بات جو نظر آتی وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے تمام اعمال وافعال نہایت ہی اعلیٰ وارفع مقاصد کیلئے تھے جس میں انتقام یا لالچ کا کوئی جذبہ شامل نہ تھا بلکہ اس میں مطلق انسانیت سے محبت و پیار کا عکس واضح نظر آتا ہے۔

فتح مکہ اور غزوہ حنین کے موقعہ پر ہزاروں لوگوں کو معاف کرنے کا یہ نتیجہ نکلا کہ جو لوگ کل تک آپ کا نام سننا گوارا نہیں کرتے تھے وہ آج آپ کے شیدائی ہو گئے اور آپ پر جان نثار کرنا ان کا مقصد بن گیا۔

فرعون امت ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا جب اس نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے معاف کر دیا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنے جرائم کی وجہ سے واجب القتل قرار دیا تھا۔(11) پس ان تمام واقعات سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ معاف کر دینا اور انتقام کا نہ لینا ہی معاشرے میں مفاہمت، ہم آہنگی اور استحکام کے پائیدار فروغ کا سبب بن سکتا ہے۔

❷ اعراض (دوسروں کے ساتھ الجھنے سے گریز)

رسول اللہ ﷺ کی زندگی سے یہ درس ملتا ہے کہ جب مسلمان کمزور ہوں تو انہیں حتیٰ المقدور ٹکراؤ سے گریز کرنا چاہئے اور خاموشی سے اپنے مقاصد کی طرف بڑھتے ہوئے اپنے آپ کو مضبوط سے مضبوط تر کرنے کی کوشش کرنا چاہئے ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿ فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴾

''اس حکم کو جو آپ کو دیا جا رہا ہے کھول کر سنا دیجئے اور مشرکوں سے منہ پھیر لیجئے''۔(12)

مکہ مکرمہ میں آپ ﷺ کو اور آپ کے ساتھیوں کو طرح طرح سے ستایا جاتا لیکن آپ ﷺ اعراض و پہلو تہی ہی اختیار کرتے، طائف کے سفر میں تو رسول اکرم ﷺ کو لہولہان کر دیا گیا لیکن آپ نے پھر بھی خاموشی و پہلو تہی اختیار کی۔

حدیث اور سیرت کی کتابوں میں بے شمار واقعات مذکور ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مشرکین کی ایذاء رسانیوں کا جواب نہیں دیتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں دو بدترین پڑوسیوں کے درمیان رہتا تھا ابولہب اور عقبۃ بن ابی معیط یہ دونوں میرے دروازے پر نجاستیں لا کر ڈالا کرتے تھے۔(13) حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ایمان کا سبب بھی ابوجہل کی ایذا رسانی تھی۔(14)

بطور مثال ہم یہاں ایک واقعہ صحیح بخاری سے نقل کرتے ہیں: عروۃ بن زبیر کہتے ہیں کہ انھوں نے عبداللہ بن عمرو بن العاص سے کہا کہ مجھے بتاؤ جو مشرکین نے سب سے زیادہ سخت برتاؤ حضور ﷺ سے کیا تھا۔ انھوں نے کہا کہ ایک روز آپ حجر کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک عقبۃ بن ابی معیط آگے بڑھا اور اس نے آپ کی گردن میں کپڑا ڈالا اور سخت گلا گھونٹنا شروع کر دیا۔ مگر عین وقت پر ابوبکر آ گئے، اسے کندھوں سے پکڑا اور دھکا دے کر ہٹایا اور کہا ''اتقتلون رجلاً ان یقول ربی اللہ'' کیا تم اس شخص کو صرف اس قصور میں مار ڈالنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔(15)

❸ اشتعال سے گریز

غصہ اور اشتعال انسان کو اعتدال اور عدل وانصاف سے دور کر دیتا ہے اسی لئے اللہ اور اس کے رسول نے مسلمانوں کو غصہ سے دور رہنے کی تلقین فرمائی اور ان لوگوں کی تعریف کی جو اپنے غصہ پر قابو پا لیتے ہیں، قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾

''وہ لوگ جو اپنے غصہ کو قابو میں رکھتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں اور اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے''۔(16)

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((ليس الشديد بالصرعة اِنما الشديد الذى يملك نفسه عند الغضب))(17)

''پہلوان وہ شخص نہیں ہے جو دوسرے سے اپنا بدلہ اور انتقام لیکر شکست دے دے بلکہ اصل طاقتور وہ ہے جو غصہ کی حالت میں اپنے آپ پر قابو رکھ سکے''۔

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے نصیحت چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا'' لا تغضب ''اس نے کئی دفعہ دریافت کیا اور آپ نے بار بار یہی جواب دیا لا تَغْضَبْ (18) ''غصہ مت کرو''۔

صلح حدیبیہ کے موقعہ پر قریش مکہ کی یہ بھرپور کوشش تھی کہ کسی نہ کسی طرح رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو مشتعل کیا جائے اور بہانہ بنا کر مسلمانوں پر حملہ کیا جائے اسی لئے انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ میں روک لیا اور چالیس پچاس آدمیوں کا فوجی دستہ اس لئے بھیجا کہ وہ کسی نہ کسی صحابی کو پکڑ کر لیجائیں لیکن وہ سب پکڑے گئے، اور آپ ﷺ نے اشتعال سے گریز کرتے ہوئے سب کو چھوڑ دیا۔(19)

''اسی طرح صلح نامہ کے شرائط اور پھر اس کی تحریر تک فریق مخالف کی طرف سے تمام مراحل مکمل طور پر اشتعال سے بھرپور تھے لیکن آپ ﷺ کمال فراست سے قریش کے ساتھ ایک ایسا معاہدہ کرنے میں کامیاب ہو گئے جس میں وقتی طور پر تو قریش مکہ کے انا کی تسکین تھی لیکن مسلمانوں کیلئے مستقبل کی فتح مبین کا آغاز کیونکہ قریش مکہ نے قسم کھائی تھی کہ حضور ﷺ کو زبردستی مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے اور اگر آپ ﷺ اسی سال عمرہ کرتے ہیں تو یہ زبردستی داخل ہونے کے مترادف ہوگا سی لئے رسول اللہ ﷺ نے اصرار نہ کیا اور صلح کر کے واپس چلے گئے ۔قالوا فو اللّٰه لا يدخُلها علينا عنوة أبداً و لا تُحدث بذلک عنا العرب''۔(20)

''انھوں (قریش) نے کہا کہ خدا کی قسم آپ ﷺ قطعاً مکہ میں زبردستی داخل نہ ہونگے اور نہ ہی (ہم یہ موقعہ دیں گے کہ) عرب ہمارے متعلق اس قسم کی گفتگو کریں (کہ حضور ﷺ نے قریش کی مرضی کے بغیر مکہ میں داخل ہو کر عمرہ ادا کیا ہے)''۔

❹ صبر و برداشت

عربی کا مقولہ ہے" الصبر مفتاح الفرج " صبر ہی وہ چابی اور کنجی ہے جو کامیابی کے تمام بند دروازوں کو کھولتی ہے قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بار بار صبر اختیار کرنے کا حکم دیا ارشاد باریٰ تعالیٰ ہے ﴿ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴾ جو شخص صبر کرلے اور معاف کردے یقیناً یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے (ایک کام) ہے۔(21) اور صبر کرنے والوں کے متعلق اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ ﴾(22) "اور اللہ صبر کرنے والوں کو (ہی) چاہتا ہے"۔

قدرت واختیار کے باوجود کسی سے انتقام نہ لینا حلم و بردباری کہلاتا ہے اور ایسا شخص صبر و برداشت کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہوتا ہے رسول اللہ ﷺ نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا:

((مَن كَظَمَ غَيْضًا وهو يَستطيع ان يُنفِذَه دعاه الله يوم القيامة على رؤوس الخلائق حتى يخيره في أى الحور شاءَ))(23)

"جو شخص قدرت کے باوجود غصہ کو ضبط کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے سب کے سامنے بلا کر انعام خاص کا مستحق ٹھہرائے گا"۔

آنحضرت ﷺ کی زندگی کا بے حد تکلیف دہ واقعہ افک تھا۔ منافقین نے آپ ﷺ کی پاک دامن زوجہ مطہرہ حضرت عائشہؓ پر نعوذ باللہ تہمت لگائی، پورا مدینہ شرانگیز پروپیگنڈہ کی زد میں تھا۔ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کی مہم کے نتیجہ میں مدینہ منورہ کی مسلم سوسائٹی بحران کا شکار تھی اور خود حضور ﷺ ذاتی طور پر بہت پریشان تھے لیکن ان انتہائی تکلیف دہ اور اذیت کے حالات میں بھی آپ ﷺ نے صبر و تحمل اور برداشت کا دامن نہ چھوڑا۔ سورۃ نور کے نزول کے بعد بھی عبداللہ بن ابی کو اس لئے سزا نہ دی کہ قانونی طور پر اس کے خلاف ثبوت نہ تھا حالانکہ حضور ﷺ سمیت ہر شخص اس کی کارستانیوں سے واقف تھا(24)۔ غزوہ حنین میں آپ ﷺ نے مال غنیمت تقسیم فرمایا تو ایک انصاری صحابی نے کہا: ما اَرادَ بها وجهَ اللّٰهِ۔" یہ تقسیم اللہ کی رضامندی کے لئے نہیں ہے اس پر اللہ کے رسول نے فرمایا:

((رحمة اللّٰه على موسى لقد أوذِى باكثر من هذا فصبر))(25)

"اللہ تبارک وتعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے انہیں لوگوں نے اس سے بھی زیادہ ستایا تھا۔ پس انہوں نے صبر کیا"۔

امام ابن کثیر اور امام شوکانی نے اپنی اپنی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ جب غزوہ احد میں آپ ﷺ نے سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نعش مبارک کو دیکھا کہ اس کے ناک، کان کاٹے گئے ہیں تو یہ منظر آپ کے لئے انتہائی تکلیف دہ اور اذیت ناک تھا اس لئے آپ ﷺ نے قسم کھائی۔ ((و اللّٰهِ لأُ مثلن بسبعين منهم مكانك)) "خدا کی قسم میں ان کے ستر آدمیوں کا اس طرح مثلہ بناؤں گا جس پر قرآن مجید کی یہ آیت اتری:

﴿ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴾(26)

''اگر بدلہ لو بھی تو بالکل اتنا ہی جتنا صدمہ تمہیں پہنچایا گیا ہو اور اگر صبر کرلو تو بے شک صابروں کیلئے یہی بہتر ہے اس پر رسول اللہ ﷺ نے اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا اور صبر کیا'' (27)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((ان اللّٰہ رفیق یحبُ الرفق و یعطی علی الرفق مالا یعطی علی العنف و مالا یعطی علی سواہ))

''للہ تعالیٰ نرم خو ہے اور نرم خوئی کو پسند کرتا ہے اور نرم خوئی پر جو کچھ عطا کرتا ہے وہ سختی پر نہیں اور نہ ہی کسی اور چیز پر۔(28)

آپ ﷺ نے نہایت ہی بلیغانہ اور ترغیبانہ انداز میں مسلمانوں کو بردباری اور نرم خوئی کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

((الا أخبرکم بمن یحرُم علی النار و بمن تحرم علیہ النار:علی کل قریبٍ، هیّن،سَهْلٍ'))

''کیا میں تمہیں بتاؤں کہ کون شخص آگ پر حرام ہے اور آگ کس پر حرام ہے اس شخص پر جو لوگوں کے قریب ہو نرم ہو، آسان ہو''۔(29)

حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے متعلق اللہ پاک نے فرمایا:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴾(30)

''اللہ تعالیٰ کی رحمت کے باعث آپ ان پر نرم دل ہیں اور اگر آپ بدزبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے سو آپ ان سے درگذر کریں، اور ان کیلئے استغفار کریں، اور کام کا مشورہ ان سے کیا کریں پھر جب آپ کا پختہ ارادہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں بے شک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے''۔

❺ مفاہمتی عمل کیلئے موزوں اشخاص کا انتخاب

صلح حدیبیہ کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے قریش کے ساتھ سفارت کاری کرنے کیلئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا تاکہ انہیں رسول اللہ ﷺ کا پیغام دیں کہ آپ لڑائی کی غرض سے تشریف نہیں لائے بلکہ آپ کا مقصد صرف بیت اللہ کی زیارت اور عمرہ ادا کرنا ہے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے قریش سے اپنی جان کا خطرہ ہے اور وہاں پر میری حفاظت کرنے والا

بھی کوئی نہیں ہے اور قریش میری دشمنی اور سختی سے خوب واقف ہیں اس لئے میں آپ کو اس کام کیلئے اپنے سے زیادہ مناسب و موزوں آدمی بتاتا ہوں اور وہ ہے ''عثمان بن عفان'' آپ ﷺ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور حضرت عثمان کو بلا کر ابوسفیان اور سرداران قریش کی طرف یہ پیغام دے کر بھیجا کہ آپ ﷺ لڑائی کیلئے نہیں آئے بلکہ آپ ﷺ کا مقصد صرف بیت اللہ کی زیارت کرنا ہے اور اس کی تعظیم بجالانی ہے۔(31)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا بہادر انسان بھی اس موقعہ پر اس لئے آگے نہیں بڑھا کہ یہ موقعہ حکمت اور دانائی کا ہے اور ایک آدمی پورے اہل مکہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا، بلکہ اس کی وجہ سے مسلمان مشکل اور مصیبت میں پڑ سکتے ہیں کیوں نہ اس موقعہ پر اس شخص کا انتخاب کیا جائے جس کے متعلق فریق ثانی بھی نرم گوشہ رکھتا ہے۔اور یقیناً یہ حکمت عملی کامیاب رہی کیونکہ قریش مکہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ وہ سخت رویہ ہرگز نہیں اپنایا جو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپناتے، بلکہ انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بیت اللہ تک کے طواف کی دعوت دی جو انھوں نے حضور ﷺ کے بغیر قبول نہ کی۔

اسی طرح آپ ﷺ نے اس سفارت کاری کے لئے بنیادی طور پر مہاجرین کا انتخاب کیا نہ کہ انصار کا کیونکہ انصار کا انتخاب اشتعال کا سبب بن سکتا تھا۔آپ ﷺ کا یہ عام اصول تھا کہ جو آدمی جس کام کے لئے مناسب ہوتا اس کو وہی کام سپرد کرتے اور نتیجہ کامیابی کی شکل میں ظاہر ہوتا اس لئے مناسب اور موزوں ترین افراد کا انتخاب بہت ہی ضروری ہے اس حوالے سے عربی زبان کا مشہور محاورہ اور مقولہ ہے: ((اذا کنتَ فی حاجةٍ مُرْ سِلاً فأرسِلْ حَکیما و لا تُو صِه))

اگر آپ نے کسی کام کے کرنے کی غرض سے دوسرے کو بھیجنا ہے تو پھر ایسے شخص کا انتخاب کریں جو عاقل، دانا اور اس کام کیلئے موزوں ہو اور پھر اسے سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔

ب۔ اسوۂ حسنہ کی روشنی میں مفاہمت کے اصول وضوابط

❶ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں تعاون

سب سے پہلا اصول یہ ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ نیکی، بھلائی اور اچھائی کے کاموں میں تعاون کیا جائیگا نہ کہ ظلم اور زیادتی پر ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ ''نیکی اور پرہیز گاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم وزیادتی میں مدد نہ کرو۔(32)

اس لئے اسلام کا یہ واضح اصول ہے کہ ظلم، زیادتی جبر و استحصال کے ساتھ کسی بھی طور پر مفاہمت نہیں کی جا سکتی حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

((من سَّن فی الاسلام سنة ً حَسَنةً فَعُمِلَ بها بَعْدَه کُتِبَ لَه مِثْلُ أ جرِ مَنْ عَمِلَ بها و لا يَنْقُصُ من أجورِ هم شيٍ ءٌ ،ومن سَن فی الاسلام سُنَّةً سَيئةً فَعُمِلَ بها بَعْدَه کُتبَ عليه مثلُ وِزرِ مَن عَمِلَ بها ،ولا يَنقُصُ من أوزارِهم شيٍ ءٌ)) ''۔(33)

''جس کسی نے بھی اسلام میں کسی اچھے کام کی بنیاد ڈالی جس پر اس کے بعد بھی عمل ہوتا رہا تو اسے بھی اس عمل کا اجر وثواب ملے گا اور بعد والوں کے اجر وثواب میں بھی کوئی کمی واقع نہ ہوگی، اسی طرح جس کسی نے اسلام میں کسی برے کام کی بنیاد ڈالی جس پر اس کے بعد بھی عمل ہوتا رہا تو اس کا وبال بھی اس پہلے والے پر ہوگا اور بعد والوں کے گناہ میں بھی کوئی کمی واقع نہ ہوگی''۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((انصر أخاک ظالماً أو مظلوماً))(34)

اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، صحابہ نے پوچھا کہ مظلوم بھائی کی مدد تو سمجھ میں آتی ہے،، ظالم کی مدد کیسے کی جائے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ظالم کا ہاتھ روکنا اور اسے ظلم سے باز رکھنا اس کی مدد ہے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے جو شخص ظالم کا ساتھ دے تاکہ ظالم کو قوت ومدد حاصل ہو اور اس مدد کرنے والے کو معلوم ہو کہ وہ ظالم ہے تو ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہوگیا۔(35)

حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لا تکونوا امعة تقولون اِن احسن الناس احسنا و اِن أساؤوا ظلمنا ولکن وطنوا انفسکم ،ان احسن االناس ان تحسنوا و ان أساؤوا فلا تظلموا))(36)

❷ مشترکہ مقاصد:

رسول اللہ ﷺ نے تمام انسانوں کو اللہ کی مخلوق قرار دیا اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی اعلان فرمایا کہ یہ سب ایک ہی ماں باپ آدم وحواء کی اولاد ہیں ((کلکم بنو آدم و آدم خلق من تراب))(37)

اس لئے تمام انسان برابر ہیں اور کسی بھی ا[illegible] د دوسرے کے اوپر رنگ ونسل کے اعتبار سے کوئی فوقیت وبرتری حاصل نہیں ہے، بعثت محمدی کے بعد اگر کسی انسان کو دوسرے انسان پر فوقیت وبرتری حاصل ہوسکتی ہے تو وہ صرف اور صرف اس کا عظیم عمل اور کردار ہوسکتا ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقعہ پر خطبہ دیا جس میں آپ نے ارشاد فرمایا:

((فالناس رجلان: رجلٌ برٌ تقی کریم علی اللّٰہ تعالیٰ و رجلٌ فاجرٌ شقیٍ هَیِّن علی اللّٰہ تعالی ان اللّٰہ عزوجل یقول: یاایھاا لناسُ اِنا خلقناکم من ذکروانثی وجعلنا کم شعوباً و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم))(38)

اے لوگو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے تم سے زمانہ جاہلیت کی عصبیت ونخوت اور آباء واجداد کی عظمت پر فخر وغرور کرنا ختم کردیا ہے۔

''اب لوگوں کی صرف دو ہی قسمیں ہیں۔ نیک وپرہیزگار جو اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز ہے اور بدکار، فاسق وفاجر جس کی اللہ کے ہاں کوئی قدر وقیمت نہیں ہے، پھر آپ ﷺ نے سورۃ الحجرات کی مشہور آیت تلاوت فرمائی جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور اس لئے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو تمھارے کنبے اور قبیلے بنا دیئے ہیں، اللہ کے نزدیک تم سب میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے"۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب یہود و نصاریٰ کو خصوصی طور پر مخاطب کر کے فرمایا کہ تم تو اللہ پاک کو مانتے ہو اس لئے تمہارے اور مسلمانوں کے درمیان تو اختلاف نہیں ہونا چاہئے بلکہ تم سب مل کر ایک اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ شرک نہ کرو اور نہ ہی ایک دوسرے کو غلام بناؤ بلکہ ایک دوسرے کا احترام کرتے ہوئے امن کے ساتھ رہو اور کوئی بھی فریق دوسرے پر اپنے دین و مذہب یا کلچر و ثقافت کو ہرگز مسلط نہ کرے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَآاِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ ﴾(39) "دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں"۔

اسی طرح اللہ پاک نے فرمایا:

﴿ فمن شآء فلیؤمن وّمن شآء فلیکفر ﴾(40) "اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے"۔

اہل کتاب کو مخاطب کر کے فرمایا:

﴿ قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْااِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَانُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ ﴾(41)

"آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں، نہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے ہی کو رب بنائیں"۔

بعثت سے قبل رسول اللہ ﷺ حلف الفضول کے اس تجدیدی معاہدے میں شریک تھے جس کی طرف زبیر بن عبدالمطلب نے حرب فجار کے بعد بلایا تھا، جس میں بنوھاشم، بنوزھرۃ اور بنوتیم کے درمیان یہ معاہدہ طے پایا تھا کہ ہم میں سے ہر شخص مظلوم کی حمایت کرے گا اور کوئی ظالم مکہ میں نہ رہنے پائے گا۔(42)

ابن کثیر نے عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے حوالے سے رسول اللہ کی یہ حدیث نقل فرمائی ہے:

((قال رسول اللہ ﷺ شھدت فی دار عبد اللہ بن جد عان حلفا لو دعیت بہ فی الاسلام لأ جبتُ))(43)

"میں عبداللہ بن جدعان کے گھر (زمانہ جاہلیت میں) پر جس معاہدے میں شریک ہوا تھا اگر آج اسلام میں بھی مجھے ایسے معاہدے کی طرف بلایا جائے تو میں ایسا معاہدہ کرنے کیلئے تیار ہوں"۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ پہنچ کر وہاں کے یہودی قبائل اور مسلمانوں کے درمیان معاہدہ کیا جو بعد میں

میثاقِ مدینہ کہلایا جس کا اہم ترین مقصد اپنے اپنے دین پر باقی رہتے ہوئے پرامن بقائے باہمی تھا۔(44)

آج بھی اگر کوئی مسلم یا غیر مسلم قوت کسی ایسے معاہدے یا مفاہمت کی طرف بلائے جس میں مظلوم کی فریادرسی ہو، عدل و انصاف کا بول بالا ہو، امن وامان کا استحکام ہو اور ایک دوسرے کے مجرمین کی پشت پناہی اور سازشیں کرنا نہ ہو، اور نہ ہی اس کا مقصد مسلمانوں کی قوت و طاقت کو کمزور کرنا ہو تو اسلام ایسے معاہدہ یا مفاہمت کو صرف جائز ہی نہیں قرار دیتا ہے بلکہ اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ﴾(45)

''اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تو بھی صلح کی طرف جھک جا اور اللہ پر بھروسہ رکھ''۔

امام ابن کثیر اس آیت کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

((فأمّا ان كان العدو كثيفا فانه يجوز مها د نتهم كما دلت عليه هذه الآية الكريمة و كما فعل النبى ﷺ يوم الحديبية))(46)

''اگر دشمن قوت وعدد میں زیادہ ہے تو پھر ان کے ساتھ مصالحت کرنا جائز ہے جیسا کہ یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے اور جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے موقعہ پر صلح فرمائی''۔

لیکن اگر اس مفاہمت میں مسلمانوں کا کوئی فائدہ نہ ہو یا یہ عدل وانصاف کی بالادستی اور ظلم و بربریت کی بیخ کنی کیلئے نہ ہو بلکہ صرف ایک ہی فریق کے مفادات کا تحفظ ہو یا پھر قوت و طاقت کے زور پر دوسرے سے اپنے مطالبات منوانا ہو تو پھر ایسی مفاہمت کا اسلام تو کیا دنیا کا کوئی بھی مذہب وقانون اجازت نہیں دیتا، بقول علامہ اقبالؒ:

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

❸ مفاہمت کے نام پر حلال کو حرام یا حرام کو حلال کرنا جائز نہیں

تمام تر تعلیمات نبوی میں اس بات کو بہت ہی اہمیت حاصل ہے کہ آپ ﷺ نے ہر اس چیز یا بات کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے جو ایک مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان سے دوری، کدورت اور نفرت کا سبب بن سکتی ہے اسی لئے غیبت، چغلی، حسد، کینہ، غصب وغیرہ وغیرہ سب حرام ہے لیکن اس کے باوجود دو مسلمانوں یا دو جماعتوں میں آپس میں اختلاف یا لڑائی کی نوبت پیدا ہو جاتی ہے تو باقی مسلمانوں کو حکم ہے کہ وہ ان میں صلح کرائیں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ م بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوْا الَّتِىْ تَبْغِىْ حَتّٰى تَفِىْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَ تْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴾(47)

''اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کروادو پھر اگر ان میں سے ایک گروہ زیادتی کرنے لگے تو ظلم کرنے والے گروہ کے خلاف لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کو مان لے، اگر یہ ایسا کرے تو دونوں گروہوں میں برابری کی بنیاد پر صلح کروادو اور عدل و انصاف کرو بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں''۔

اس آیت کریمہ میں سب سے قابل غور بات یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کے دونوں متحارب دھڑوں کو کافر قرار نہیں دیا اور نہ ہی ان سے ایمان سلب کیا ہے بلکہ باقی مسلمانوں کو صلح وصفائی کرانے کا حکم دیا ہے لیکن اگر کوئی فریق اس کے باوجود ظلم وزیادتی پر مصر ہے تو اس صورت میں باقی مسلمانوں کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ متحد ہو کر مسلمانوں کے اس ظالم گروہ کو ختم کر کے معاشرے میں امن وامان کو مستحکم بنائیں۔

باہمی تنازعات کو ختم کرنے کے لئے سعی وکوشش کرنا پیغمبر اسلام کی نگاہ میں کتنا اہم ہے اس کا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے: آپ ﷺ نے فرمایا:

((الا اخبركم بافضل من درجة الصيام و الصلاة و الصدقة ؟ قالوا بلى ، قال اصلاح ذاتِ البين وفساد ذاتِ البين الحالقة))(48)

''کیا میں تمہیں ایسے اعمال کی خبر نہ دوں جو روزہ، نماز اور صدقہ سے بھی افضل ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں، آپ نے فرمایا: دو بندوں کے درمیان صلح کروادی جائے، اور (دو آدمیوں میں) فساد اور ناراضگی پیدا کرنا دین کو کاٹنے اور ختم کرنے کے مترادف ہے''۔

لیکن یہ تمام تر مصالحتی کردار اس بات کے ساتھ مشروط ہے کہ اس کام لیئے نہ تو حلال کو حرام بنایا جائے اور نہ ہی حرام کو حلال بنایا جائے جامع ترمذی میں حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الصلح جائز بين المسلمين الا صلحا حرم حلالاً او احل حراماً ،و المسلمون على شروطهم الا شرطا حرم حلالاً او احل حراما))(49)

''مسلمانوں میں صلح جائز ہے سوائے ایسی صلح کے جو حرام کو حلال یا حلال کو حرام کر دے اور مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہیں سوائے اس کے جو حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دے''۔

اسی طرح اس مخزومی عورت کے واقعہ سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے جس نے چوری کی تھی اور اسامۃ بن زید سے اس کے متعلق حضور ﷺ سے سفارش کرائی گئی کہ اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے لیکن حضور ﷺ انتہائی غضبناک ہوئے اور وہ مشہور جملہ ارشاد فرمایا کہ:

''اگر فاطمۃ بنت محمد بھی چوری کرتی (اور اس پر ثابت ہو جاتی) تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹتا''۔(50)

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں ایک باب باندھا ہے **بابٌ اذا اصطلحوا على صُلح جَورٍ فالصلح مردودٌ۔**

''اگر ظلم پر صلح کی ہے تو وہ صلح مردود ہے''۔

اور اس باب میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ ''ایک دیہاتی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ میرا بیٹا ایک شخص کے پاس ملازم تھا اس نے مالک کی بیوی کے ساتھ بدکاری کا ارتکاب کیا ہے لوگوں نے کہا کہ اسے سنگسار کیا جائے میں نے ایک لونڈی اور سو بکریاں دے کر اسے چھڑا لیا ہے پھر میں نے اہل علم سے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ میرے بیٹے کو سو کوڑے لگیں گے اور ایک سال کیلئے اسے جلا وطن کیا جائیگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں اللہ کی کتاب کے مطابق تمہارے درمیان فیصلہ کرونگا۔ لونڈی اور بکریاں تجھے واپس ملیں گی اور تیرے بیٹے کو سو کوڑے لگیں گے اور ایک سال تک جلا وطن رہے گا اور مالک کی بیوی کو سنگسار کیا جائے گا۔

ان آیات واحادیث سے سے واضح طور پر یہ اصول معلوم ہو گیا کہ اللہ کے معاملات میں کسی طرح مفاہمت کی گنجائش نہیں ہے۔(51)

❹ عقائد واصول پر کوئی مفاہمت نہیں ہے

متعدد کتب سیرت میں یہ روایات موجود ہیں اور ابن ہشام نے بھی کئی روایات نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار نے ابو طالب کے پاس کئی مرتبہ اپنے نمائندے بھیجے جن میں عتبۃ بن ربیعہ،شیبۃ بن ربیعۃ ،ابوسفیان، عاص بن وائل، ولید بن مغیرۃ اور ابوجہل شامل تھے کہ آپ ﷺ ان کے بتوں کو برا بھلا کہنا چھوڑ دیں کیونکہ یہ ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے اور ہمارے آباؤ واجداد کو بُرا بھلا کہتا ہے ہمیں احمق قرار دیتا ہے اس لئے تم درمیان سے ہٹ جاؤ یا تم بھی میدان میں آؤ کہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے اس پر رسول اللہ ﷺ نے جو جواب دیا ابن اسحاق ان الفاظ میں اس کو نقل کرتے ہیں:

((یا عم و اللّٰہ لو وضعوا الشمس فی یمینی و القمر فی یساری علی ان أترک ھذا الامر حتی یظھرہ اللّٰہ، أو اھلک فیہ ما ترکتہ))

''خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی لا کر رکھ دیں تب بھی میں اپنے مشن سے نہیں ہٹونگا یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے دین کو غالب کر دے یا مجھے اپنے مشن اور فرض کی ادائیگی میں موت آجائے''۔(52)

عتبۃ بن ربیعۃ کے حضور ﷺ کے ساتھ مذاکرات

ایک دفعہ عتبۃ بن ربیعۃ حضور ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ:

''تمہیں معلوم ہے کہ تم ہمارے ہاں خاندان ونسب اور معاشرتی مقام ومرتبہ کے اعتبار سے نہایت ہی معزز ومکرم ہو لیکن تمہاری وجہ سے ہمارے پورے معاشرے میں پھوٹ پڑ گئی ہے اس لئے میں تمہارے سامنے چند باتیں پیش کرتا ہوں تمہیں ان میں سے جو بھی پسند ہے ہم اس طرح کرنے کے لئے تیار ہیں،

اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کیا باتیں ہیں؟ اس پر عتبہ نے کہا:

(i) اگر تمہاری اس نئے دین کے پیش کرنے سے مقصد مال و دولت ہے تو ہم تمہارے لئے اتنی دولت اکٹھی کر لیتے ہیں کہ تم ہم سب میں زیادہ مالدار ہو جاؤ گے۔

(ii) اور اگر تمہارا مقصد مقام و منصب حاصل کرنا ہے تو ہم تمہیں اپنا سردار بنا لیتے ہیں۔

(iii) اور اگر تمہارا مقصد بادشاہ بننا ہے تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں۔

(iv) اور اگر تمہیں کوئی جن وغیرہ چمٹ گیا ہے جس کی وجہ سے تم اس طرح کی باتیں کرتے ہو تو ہم تمہارا علاج وغیرہ کروا لیتے ہیں جواب میں اسے رسول اللہ نے سورۃ حم السجدہ کی ابتدائی آیات سنائیں اور وہ چلا گیا''۔(53)

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ:

''کفار قریش حضور ﷺ کے پاس آئے اور پیشکش کی کہ آپ ﷺ ایک سال ہمارے معبودوں کی عبادت کریں اور ہم ایک سال آپ کے معبود کی عبادت کریں گے اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ الکافرون نازل فرمائی اور حضور ﷺ کو مکمل طور پر کفار کے دین سے براءت کے اعلان کا حکم فرمایا۔(54)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ وَاِذًا لَّا تَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا۝ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا۝ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا۝﴾(55)

''یہ لوگ آپ کو اس وحی سے جو ہم نے آپ پر اتاری ہے بھٹکانا چاہتے تھے کہ آپ اس کے سوا کچھ اور ہی گھڑ گھڑا لیں، تب تو یہ لوگ آپ کو اپنا دوست بنا لیتے۔ اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو بہت ممکن تھا کہ آپ ان کی طرف قدرے قلیل مائل ہو ہی جاتے۔ پھر تو ہم بھی آپ کو دھرا عذاب دنیا کا کرتے اور دوھرا ہی موت کا پھر آپ تو اپنے لئے ہمارے مقابلے میں کسی کو مددگار بھی نہ پاتے''۔

سورۃ بنی اسرائیل کی ان آیات اور قرآن کریم کی اس طرح کی متعدد آیات میں بالکل واضح ہے کہ عقائد و اساسیات دین پر کسی طرح کی مفاہمت یا سودے بازی نہیں ہو سکتی اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ اس بارے میں اتنی روشن اور عیاں ہے کہ کوئی بھی ذی شعور اس بارے میں کوئی دوسری رائے نہیں رکھ سکتا۔

5 مفاہمت کے نام پر مداہنت جائز نہیں ہے

مداہنت کا لغوی معنی:

ابن منظور لسان العرب میں لکھتے ہیں:

((المداهَنَةُ و الا دهانُ : المصانَعةُ و اللين، وقيل المداهَنَةُ اِظهار خلاف مايُضمر))

بنیادی طور پر ابن منظور نے اس کے دو معنی بیان کیے ہیں:

(i) نرمی اور بتکلف حسن سلوک والا معاملہ دوسرے کے ساتھ کرنا۔

(ii) خلاف حقیقت بات کا اظہار کرنا یعنی دل میں کچھ اور ہے لیکن ظاہر کچھ اور کر رہا ہے۔(56)

غیر مسلموں کے ساتھ موالاۃ (قلبی محبت) ار مداہنت جائز نہیں ہے البتہ مداراۃ جائز ہے جس کا مطلب ہے کہ ان کے شر سے بچنے کیلئے یا مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کیلئے ان سے حسن سلوک اور مفاہمتی رویہ اختیار کیا جائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْن﴾(57) ''وہ تو چاہتے ہیں کہ تو ذرا ڈھیلا ہو تو یہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں''

اس آیت کی تفسیر میں امام ابن کثیر اور امام شوکانی نے امام مجاھد کا یہ قول نقل کیا ہے:

''وہ چاہتے ہیں کہ تم اپنی بعض صحیح باتوں کو چھوڑ کر ان کی طرف مائل ہو جاؤ تو وہ تمہاری طرف مائل ہو جائیں گے''۔(58)

مفسرین کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ ''مداہنت'' کہتے ہیں مسلمانوں کی طرف سے کفار کے دین کے متعلق نرم گوشہ اپنا کر اپنے دین کے بعض امور سے تغافل یا دستبرداری اختیار کی جائے یا ترک واجب یا ارتکاب امور منھیۃ کیا جائے جس کی ہرگز اجازت نہیں ہے جبکہ ''مداراۃ'' کا مطلب ہے کہ دین پر مضبوطی سے قائم رہتے ہوئے اپنے مفادات وحالات کے پیش نظر مخالفین کے ساتھ بہتر اور اچھا رویہ اپنایا جائے جو کہ صرف جائز ہی نہیں بلکہ موجودہ حالات میں مستحسن ومطلوب ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ آیت مذکورہ کی تفسیر میں ''تنبیہ'' کے عنوان سے رقمطراز ہیں:

''مداہنت'' اور ''مدارات'' میں بہت باریک فرق ہے اول الذکر مذموم ہے اور آخر الذکر محمود۔(59)

کفار کی یہ خواہش تھی کہ آپ ﷺ قرآن میں سے وہ حصے خارج کر دیں جن میں کفار کے عقائد کا رد اور ان کے طرز عمل کی مذمت کی گئی ہے۔ لیکن اللہ پاک نے حضور ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ قرآن مجید میں کوئی رد و بدل نہیں کر سکتے بلکہ آپ کا کام صرف اتباع اور تبلیغ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَ نَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ۚ قُلْ مَايَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ﴾(60)

''اور جب ان کے سامنے ہمارے آیتیں پڑھی جاتی ہیں جو بالکل صاف صاف ہیں تو یہ لوگ جن کو ہمارے پاس آنے کی امید نہیں ہے یوں کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی دوسرا قرآن لایئے یا اس میں کچھ ترمیم کر دیجئے۔ آپ ﷺ یوں کہہ دیجئے کہ مجھے یہ حق نہیں کہ میں اپنی طرف سے اس میں ترمیم

کروں، میں تو صرف اُس کا اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے''۔

نبی اکرم ﷺ نے غیر مسلموں کے ساتھ ایسا کوئی بھی معاہدہ نہیں کیا جس میں آپ ﷺ کی طرف سے ذرہ برابر بھی کفار کی طاقت سے مرعوبیت اور خوف کا مظاہرہ کیا گیا ہو۔ مکہ میں جس وقت مسلمان کمزور تھے اور کفار ان پر تشدد کرتے تھے اس وقت بھی ایسا کوئی کام یا معاہدہ نہیں کیا جس میں کفار کے سامنے جھکنے یا ان کے نظریات قبول کرنے کا تاثر ہو، جسمانی اذیتوں سے لے کر شعب ابی طالب کی محصوری تک تمام صعوبتوں کو برداشت کیا لیکن جھکاؤ نہیں پیدا کیا۔ مدینہ منورہ میں میثاق مدینہ میں مسلمانوں کو مکمل طور پر بالادستی حاصل ہوئی نبی اکرم ﷺ کو سربراہ مملکت کا مقام ملا، اہل مدینہ کے تمام فیصلے آپ ﷺ ہی صادر فرماتے۔

صلح حدیبیہ میں بظاہر تاثر پیدا ہوا کہ مسلمان جھک کر معاہدہ کر رہے ہیں لیکن حالات نے ثابت کر دیا کہ جس چیز کو بظاہر جھکاؤ سمجھا گیا وہی بات حضور ﷺ کی سیاسی بصیرت و نصرت خداوندی کا مظہر ثابت ہوئی۔

حدیبیہ ہی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کفار کی طرف سے قتل کیے جانے کی افواہ پر حضور ﷺ کی طرف سے حق اور اصولوں کی خاطر مر مٹنے کا موقف بھی سامنے آیا اور آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے جنگ سے نہ بھاگنے اور بعض سے موت پر بیعت لی (61) جو بعد میں بیعت رضوان کہلائی، اس لئے صلح حدیبیہ میں کوئی بھی پہلو مرعوبیت یا مداہنت کا نہیں ہے بلکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی سیاسی بصیرت، تدبر، اور دور اندیشی کا وہ شاہکار فیصلہ ہے جسے موجودہ مسلمانوں اور حکمرانوں کو بغور اور بار بار مطالعہ کرنا چاہئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ کا ارشاد مروی ہے:

((لا طاعة لمخلوق فی معصية الله عزوجل))(62)

''اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی طور پر بھی مخلوق کی اطاعت و فرمانبرداری نہیں کی جا سکتی''۔

6 ایفائے عہد

اپنے وعدوں اور معاہدوں کو نبھانا دنیا کے ہر باشعور، باضمیر اور بااصول، فرد، جماعت اور حکومت کی ذمہ داری بنتی ہے اور ہر مذہب و قانون میں اس کی اہمیت مسلم ہے لیکن اسلام نے جتنے واضح اور تاکیدی احکام ایفائے عہد کے متعلق دیئے ہیں وہ کسی اور مذہب و قانون میں نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ نے وعدہ خلافی کو منافقت کی نشانی قرار دیا (63) اور اس کے علاوہ بے شمار احادیث میں دشمنوں تک سے ایفائے عہد کی تاکید فرمائی جبکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ ﴾ (64) ''اے ایمان والو! عہد و پیاں پورے کرو''۔

رسول اللہ ﷺ نے نقض عہد سے سختی کے ساتھ منع فرمایا لیکن ساتھ ہی ہمارے لئے یہ اسوہ بھی چھوڑا کہ اگر دشمن خود ہی نقض عہد کی ابتداء کرے تو پھر تمہیں مکمل طور پر اپنے مفادات کا تحفظ کرنا چاہئے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو نضیر، بنو قینقاع اور بنو قریظہ کے معاملہ میں کیا، اسی طرح جب قریش نے بنو بکر کا ناحق ساتھ دیا اور حضور ﷺ کے حلیف بنو خزاعہ پر ظلم و زیادتی ہوئی تو پھر آپ ﷺ نے اپنا وعدہ اور معاہدہ نبھاتے ہوئے بنو خزاعہ کی نصرت و مدد کی اور قریش کو نقض عہد کا نہ بھولنے والا سبق سکھایا۔ (65)

❼ گواہ بنانا

کسی بھی مفاہمت کو پائیدار بنانے کے لئے یہ امر ضروری ہے کہ اسے بند دریچوں یا پوشیدگی وخفاء کے پردوں میں لپٹا ہوانہیں ہونا چاہئے بلکہ وہ پوری قوم کے سامنے واضح ہواور اس پر دونوں یا تمام اطراف کی طرف سے گواہ بھی ہونے ضروری ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقعہ پر صلح کے معاہدہ نامہ پر مسلمانوں اور مشرکین کے کچھ افراد کو گواہ بنایا تھا جن میں حضرت ابوبکر، عمر بن الخطاب اور مشرکین کی طرف سے مکرز بن حفص شامل تھے۔(66)

جبکہ قرآنی تعلیمات تو ہمیں یہ سکھاتی ہیں کہ ہم ہر چھوٹے بڑے معاملہ پر گواہ ضرور مقرر کریں اور اس کو تحریر میں لائیں تاکہ کل تنازع کی صورت میں اس کا حل ممکن ہو۔(67)

❽ مجرمین کو پناہ نہ دینا

مفاہمت کی پائیداری اور معاشرہ کے امن واستحکام میں اس بات کا بہت بڑا دخل ہے کہ مفسدین ومجرمین سے دستبرداری کا اعلان کیا جائے اور خاص طور پر ایک دوسرے کے مجرمین کو پناہ نہ دی جائے ،رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:((لعن اللّٰہ من آوى محدثا))''اللہ کی لعنت ہے اس شخص پر جس نے مجرم کو پناہ دی''۔(68)

میثاقِ مدینہ میں ہے((---أو فساد بين المومين، و أن أيديهم عليه جميعاً ولو كان ولد أحدهم))(69)

نمبر۱۴۔ اور یہ کہ تمام تقویٰ شعار مومنین متحد ہوکر ہر اس شخص کی مخالفت کریں گے جو سرکشی اختیار کرے، ظلم، گناہ اور تعدی کے ہتھکنڈوں سے کام لے اور ایمان والوں کے درمیان فساد پھیلائے۔ ایسے شخص کی مخالفت میں ایمان والوں کے ہاتھ ایک ساتھ اٹھیں گے اگرچہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

نمبر۲۲۔ مدینہ کا کوئی مشرک قریش کے کسی شخص کو مالی یا جانی کسی طرح کی پناہ نہ دے گا۔

نمبر۲۳۔ جو شخص ناحق کسی مومن کا خون کرے گا اسے مقتول کے عوض (بطور قصاص) قتل کیا جائے گا، اور تمام اہل ایمان قاتل کے خلاف رہیں گے۔(70)

میثاقِ مدینہ کے ان تمام دفعات اور حضور ﷺ کی حدیث سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ جب تک مجرمین کے متعلق واضح اور دوٹوک پالیسی نہیں ہوگی اس وقت تک نہ تو کوئی مفاہمت پائیدار ہوسکتی ہے اور نہ ہی کامیاب۔

مقالہ کے نتائج وسفارشات

نتائج

اس مقالہ میں دیئے گئے دلائل کی روشنی میں مندرجہ ذیل نتائج سامنے آئے ہیں:

① مفاہمت اور ہم آہنگی مسلمانوں کے درمیان ضروری ہے غیر مسلموں کے ساتھ جائز جبکہ موجودہ حالات میں مستحسن ہے۔

② مفاہمت کے نام پر قطعاً کفار کے ساتھ موالات یا مداہنت کی اجازت نہیں ہے۔

③ عقائد و اصول پر کوئی مفاہمت نہیں ہے اور نہ ہی نصوص قطعیہ سے ثابت شدہ حلال کو حرام یا حرام کو حلال کیا جاسکتا ہے

④ امن و سلامتی، عدل و انصاف، سیاسی و معاشی استحکام کے حصول اور ظلم، جبر و زیادتی و استحصال کے خاتمہ وغیرہ جیسے اعلیٰ مقاصد کیلئے کسی کے ساتھ بھی مفاہمت کی جاسکتی ہے۔

⑤ اگر مسلمانوں کے ملی، اجتماعی یقینی مفاد کی وجہ سے بعض دیگر مسلمانوں کا ذاتی نقصان ہوتا ہوتو یہ جائز ہے جیسا کہ صلح حدیبیہ میں ہوا۔

⑥ مفاہمت کی پائیداری کیلئے عہد و پیماں کی پاسداری اور مجرمین کو پناہ نہ دینا ضروری ہے۔

⑦ مفاہمت کی پائیداری کیلئے اس کو دستاویزی شکل دے کر اس پر معتبر اشخاص کا گواہ بنانا ضروری ہے۔

⑧ مفاہمت کیلئے موزوں ترین اشخاص کا انتخاب ہی مفید ہوسکتا ہے جو اگر ہر دلعزیز نہ ہوتو کم از کم ایک دوسرے کیلئے قابل قبول تو ہو۔

⑨ مفاہمت کیلئے اعراض، عفو و درگزر اور صبر و برداشت کی پالیسی ہی کامیاب ہوسکتی ہے۔

⑩ جب تک عقل و دانش کو جذبات کا حاکم نہ بنایا جائے اور اشتعال سے گریز کی حکمت عملی نہ اپنائی جائے اس وقت تک کوئی مفاہمت کامیاب نہیں ہوسکتی۔

سفارشات

اس مقالہ کے نتائج کی روشنی میں مفاہمتی عمل کیلئے پائیدار حکمت عملی تشکیل دینے کیلئے درج ذیل سفارشات پیش کی جاتی ہیں:۔

① موجودہ حالات میں تمام مسلمانوں کا فرض بنتا ہے کہ وہ فروعی مسائل کو پس پشت ڈال کر مسلمات، عقائد و اصول کی بنیاد پر آپس میں اتحاد و یگانگت و ہم آہنگی پیدا کریں۔

② مفاہمت کے حصول کے لئے غیر مسلموں کے ساتھ پرامن بقائے باہمی اور امن و سلامتی و عدل و انصاف کے حصول کے لئے معاہدات کیے جائیں۔

③ اس وقت سب سے زیادہ ضرورت اعراض، عفو و درگزر، صبر و برداشت اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کی ہے۔

④ ذاتی، جماعتی اور مسلکی مفادات سے بالاتر ہو کر تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں ملک و ملت کیلئے پالیسیاں مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔

حواشی وتعلیقات

(1) حم السجدۃ 34:41

(2) ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، دار إحیاء التراث العربی، بیروت، مادۃ فھم ج:10 ص343

(3) الفیروز آبادی، محمد بن یعقوب، مجد الدین، القاموس المحیط، ج:4 ص227

(4) لویس معلوف، المنجد فی اللغۃ، دار المشرق، بیروت، ص598

(5) ابن عقیل، عبداللہ بن عقیل، بہاء الدین، المصری، شرح ابن عقیل، دار العلوم الحدیثۃ، بیروت ج:2 ص601

(6) کیرانوی، وحید الزمان، مولانا، القاموس الوحید ص715

(7) الاحزاب 21:33

(8) الأعراف 199:7

(9) بخاری، محمد بن اسماعیل، ابوعبداللہ، الجامع الصحیح، دار السلام، الریاض، باب وفد بنی حنیفۃ وحدیث ثمامۃ بن اثال حدیث نمبر 4372 ص 741

(10) منصور پوری، محمد سلیمان، قاضی، رحمۃ للعالمین، مکتبہ محمدیہ، ج:1 ص204

(11) ابن قیم، محمد بن ابی بکر، ابوعبداللہ، شمس الدین، زاد المعاد فی ھدیِ خیر العباد، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ج:3 ص411

(12) الحجر 94:15

(13) خالد علوی، ڈاکٹر، انسان کامل، مکتبۃ الفیصل، ص669

(14) ابن ہشام، عبدالملک، بن ہشام بن ایوب، ابومحمد، الحمیری، السیرۃ النبویۃ دار الکتاب العربی، بیروت، ج: 1 ص321,322

(15) بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ المؤمن حدیث نمبر 4815 ص849

(16) آل عمران 134:3

(17) بخاری، باب الحذر من الغضب، حدیث نمبر 6114

(18) بخاری، باب الحذر من الغضب، حدیث نمبر 6116

(19) ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج:3 ص261

(20) a۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ ج3 ص:259

b۔ ابن قیم الجوزیۃ، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، ج:3، ص294

(21) الشوریٰ 43:42

(22) آل عمران 146:3

(23) ترمذی، محمد بن عیسٰی بن سورۃ، ابوعیسیٰ، جامع الترمذی (سنن) دار السلام، الریاض، باب فی کظم الغیظ حدیث نمبر 2021

(24) خالد علوی، ڈاکٹر، انسان کامل، مکتبۃ الفیصل، ص649

(25) بخاری، باب غزوۃ الطائف، حدیث نمبر 4335

(26) النحل 126:16

(27) a۔الشوکانی، محمد بن علی بن محمد، فتح القدیر، دار زمزم، الریاض، ج3 ص290

b۔ابن کثیر، اسماعیل بن کثیر، ابوالفداء، الحافظ، تفسیر القرآن العظیم، دارالجیل، بیروت ج:2 ص573

(28) مسلم بن الحجاج، القشیری، ابوالحسین، الجامع الصحیح، دارالسلام، الریاض، باب فضل الرفق، حدیث نمبر 6601، ص1133

(29) ترمذی، سنن ترمذی، باب فضل کل قریب هین سہل، حدیث نمبر 2488، ص566

(30) آل عمران 159:3۔

(31) a۔ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج:3 ص262

b۔ابن قیم، زادالمعاد فی ھدی خیر العباد، ج:3 ص290

(32) المائدہ 2:5

(33) مسلم، صحیح المسلم، باب من سن سنۃ حسنۃ، حدیث نمبر 6800

(34) بخاری، صحیح البخاری، حدیث نمبر 2444

(35) a۔البیھقی، احمد بن الحسین بن علی، شعب الایمان، حدیث نمبر 7158

b۔دھلوی، شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ حصہ دوم، قومی کتب خانہ، لاہور، ص611

c۔ محمود اختر، ڈاکٹر، حافظ، استحکام مملکت اور بدامنی کا انسداد، الائیڈ بک سنٹر، لاہور، ص133

(36) a۔ترمذی، سنن ترمذی، باب ماجاء فی الاحسان والعفو، حدیث نمبر 2007، ص:463

b۔وحیدالدین خان، مولانا، پیغمبر انقلاب، امجد اکیڈمی، لاہور، ص:34

(37) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج:4 ص219

(38) ایضاً ج:4 ص219

(39) البقرۃ 256:2

(40) الکہف 29:18

(41) آل عمران 64:3

(42) ابن سعد، محمد بن سعد بن منیع، الطبقات الکبری، دار صادر، بیروت ج:1 ص82

(43) a۔ابن کثیر، البدایۃ والنھایۃ، مکتبۃ المعارف، بیروت ج:2 ص291

b۔ البیہقی، احمد بن الحسین، ابوبکر، السنن الکبری ج:2 ص356

(44) محمد طفیل، نقوش رسول نمبر، شمارہ نمبر 130، ادارہ فروغ اردو، لاہور، ج:5، ص92,93

(45) الانفال 61:8

(46) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج:2 ص309

(47) الحجرات 9:49

(48) ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث السجستانی، الامام، سنن ابی داؤد، دارالسلام، الریاض، باب فی إصلاح ذات البین، حدیث نمبر 4919

(49) ترمذی، سنن الترمذی، باب ماذکرعن رسول اللہ فی الصلح بین الناس، حدیث نمبر1352،ص326

(50) بخاری، الجامع الصحیح، باب کراھیۃ الشفاعۃ فی الحداذارفع الی السلطان، حدیث نمبر6788

(51) ایضاً باب اذا اصطلحو اعلی صلح جورفالصلح مردود، حدیث نمبر2695، ص440

(52) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج:1 ص298

(53) ایضاً ج:اص:322,323

(54) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج:۴ص565

(55) بنی اسرائیل17:73,74,75

(56) ابن منظور، لسان العرب، ج:4 ص434

(57) القلم 9:68

(58) a۔ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج:4 ص:404

b۔الشوکانی، فتح القدیر، ج:5 ص381

(59) عثمانی، شبیر احمد، علامہ، تفسیر عثمانی، شاہ فہد قرآن شریف پرنٹنگ کمپلیکس، مدینہ منورہ، حاشیہ سورۃ القلم، آیت نمبر9،ص749

(60) یونس15:10

(61) دیکھئے: a۔ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج:3، ص:262

b۔مبارکپوری، صفی الرحمٰن، الرحیق المختوم، دارالحدیث، القاھرۃ، ص:340

(62) احمد بن محمد بن حنبل، ابوعبد اللہ، مسند الامام احمد، مسند علی بن ابی طالب، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 2001ء، حدیث نمبر 1095، جلد:2، ص333

(63) بخاری، الجامع الصحیح، باب اثم من عاھد ثم غدر، حدیث نمبر3178

(64) المائدۃ 1:5

(65) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج:4 ص34,35

(66) ایضاً ج:3ص265

(67) البقرۃ282:2

(68) مسلم، صحیح مسلم، حدیث نمبر1978،ص883

(69) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج:2 ص144

(70) محمد طفیل، نقوش رسول نمبر، شمارہ نمبر130، ج:5 ص94,95